دوران انقلاب آئین سازی : لیبیا کا معاملہ

اینڈریو اے آر اے ٹی او
معاشرتی تحقیق کا جدید مکتب فکر، نیو یارک

اس پینل کا حصہ بننے میں کامیاب ہونا اور پروفیسر سلیمان ابراہیم کے ممتاز مقالے پر تبصرہ کرنا ایک خوش آئین امر ہے جس میں حقائق کو جس متاثر کن طریقے سے پیش کیا گیا ہے اس کی میں تائید کروں گا۔ یقینا مجھے لیبیا پر ایک ماہر تجزیہ نگار کے طور پر نہیں بلکہ ایک ایسے شخص کے طور پر مدعو کیا گیا تھا جو کہ اس موضوع کے متعلق نسبتا زیادہ تجربہ رکھتا ہو۔[1]

میں چاہتا ہوں کہ اپنے موضوع کا آغاز 1989 کے نام نہاد انقلاب اور 2011 کے عرب انقلابات کے تقابلی جائزے سے کروں۔ میرے خیال میں اول الذکر ایک بین الاقوامی نام ہونے کے باوجود انقلاب کے بعد بشمول مغربی افریقہ کی منتقلی کا ایک عمل ہے جس کا انحصار قانونی تواتر، جامع مذاکرات اور کثیر عملیاتی جمہوری طرز کی قانون سازی کا عمل ہے خود مختار اجتماعی اسمبلیوں کے برخلاف، ان کی آئین سازی کا بنیادی عنصر گول میز تھا جس میں معاشرے میں موجود سابقہ مخالف سیاسی طاقتوں کی موجودگی اور اتفاق کو مدنظر رکھا گیا تھا۔ میں آئین سازی کے عمل کو خود مختاری کے بعد کا عمل تصور کرتا ہوں کیونکہ کسی بھی مرحلے پر کوئی شخص، کوئی تحریک، کوئی ادارہ یا کوئی رہنما تن تنہا خود مختار لوگوں کی خواہش کی نمائندگی کرنے کا پابند ہو۔ اس کے برعکس 2011 میں عارضی حکومتوں اور کچھ ممالک میں اجتماعی اسمبلیوں نے کم از کم اس بات کی کوشش کی کہ وہ انفرادی طور پر وہاں کے لوگوں کی اجتماعی نمائندگی کرسکیں۔ یہ حقیقی انقلابات تھے 100 سال قبل انقلاب روس کے شرکاء اور طلباء نے قانون شکنی، دوہری طاقت کی کلاسیکی اشکال پر حقیقی معنوں میں زور دیا تھا۔ جیسا کہ میں تاریخی تجربے کی بنیاد پر پیشن گوئی کرتا ہوں کہ (اور ساتھ میں حنہ ارنڈٹ کی انقلاب پرمیں) ان انقلابات کے ذریعے آزادی کی کاروائیاں تو کامیابی سے مکمل ہوئیں مگر جمہوری آئین کی تشکیل میں دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔ تا حال صرف ایک ملک؛ تیونس اس کوشش میں کامیاب رہا ہے۔ دیگر جگہوں پر جیسے کہ مصر میں دو غیر جمہوری اور انتہائی کمزور آئین وجود میں آئے، جب کہ شام، یمن اور لیبیا میں جاری اندرونی خلفشار آئینی عدم مضبوطی کی اب تک کی اہم وجہ ہیں۔

تاہم میرے اولین مقالے کے مطابق، 2011 کے انقلابات بین الاقوامی تاریخی پس منظر میں وقوع پذیر ہوئے جن کی نشان دہی گذشتہ دور کے انقلابات کی تبدیلیوں کے طور پر کر دی گئی۔ اس کا مطلب انقلابات میں ما بعد الانقلاب کے عوامل اور خصوصیات کو شامل کئے جانے کی کوشش کرنا تھا۔ یہ سب کچھ تیونس میں احسن طریقے سے انجام پایا جہاں ابتدائی مذاکرات اور معاہدوں نے بنیادی انقلابیوں اور اصلاحی طاقتوں کو اتفاق اور سمجھوتے کے ایسے راستے پر لا کھڑا کیا جہاں پر ان حالات میں ایسی فضا قائم کرنا دشوار ہوتا ہے۔ مصر میں تبدیلی کا عمل قدرے کم کامیاب تھا خصوصا عملی طور پر اور نتیجے کے حصول کے طور پر۔[2]

ان دونوں پڑوسی ممالک کے مقابلے میں لیبیا ایک مختلف ملک ہے اور رہا ہے۔ میں نہ تو ان اختلافات کی تفصیل میں جاسکتا ہوں اور نہ ہی مجھے اس کی ضرورت ہے ما سوائے اس کہ کہ میں تین عناصر پر زور دوں: گذشتہ

---

[1] میں نے مرکزی یورپ، جنوبی افریقہ، عراق اور حال ہی میں لاطینی امریکہ کے ساتھ ساتھ لیبیا کے دو عرب پڑوسی ممالک یعنی مصر اور تیونس میں آئینی سیاست پر لکھا ہے۔ ملاحظہ کریں سول سوسائٹی، آئین اور قانون سازی (2000) آئین سازی بطور پیشہ (2006)؛ خود مختاری کے بعد آئین سازی (2016)، اور حلقاتی طاقتوں کے قصے (2017).

[2] ملاحظہ کریں مہم جوئی باب 4.

پوزیشن کا مقالہ - آئي ایس ایم سی کے گورننس پروگرام کی مکالماتی سیریز 2017 میں مصنف کی جانب سے پیش کیا گیا
برائے مہربانی مصنف سے پیشگی اجازت کے بغیر حوالہ جات یا تقسیم کے لئے استعمال نہ کیا جائے۔

طاقتور حکومت کی منفرد نوعیت، ملک کے تین اہم حصوں کے غیر مکمل مربوط کردار اور خاصی متنوع افواج کی کامیابی میں بین الاقوامی مداخلت کا اہم کردار۔

تاہم، ان تمام اختلافات کے باوجود، لیبیا میں تیونس اور مصر سے ملتا جلتا انقلابی عمل جاری تھا جس کی اہم خصوصیات میں مکمل قانون شکنی کے ساتھ ساتھ منفرد مگر غیر متحد انقلابی عنصر (غیر حتمی) عبوری قومی تنظیم (ٹی این سی) کا وجود تھا۔ اس خود ساختہ تنظیم سے مارچ 2011 میں اپنے عبوری آئینی اعلامیے کے ذریعے اپنے کام کا آغاز کردیا تھا (جس کی اگست 2011 میں تنظیم نو کی گئی) جو کہ تاحال دوہری طاقت کے استعمال پر گامزن ہے۔ اس اعلامیے میں آئین سازی کے اصول موجود تھے (آرٹیکل 30) جن کی بعد ازاں نئی منتخب کابینہ نے ترمیم کی، جنرل نیشنل کانگرس (جی این سی) نے خود کو انہی قوانین کے تحت قائم کیا۔ اور یہاں بھی لیبیا میں بعد از انقلاب یا بعد از اقتدار خیالات کو انقلاب کے دوران آئین سازی کے عمل میں شامل کرنے یا لے کر آنے کی کوششیں کی گئی ہیں۔ جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

1. عبوری آئینی اعلامیہ (آئی سی ڈی) جو کہ زیادہ تر انقلابی دستاویزات سے زیادہ ترقی یافتہ ہے میں حدود کو قائم کیا گیا ہے حتی کہ عبوری قانون سازی کی صلاحیت کو بھی محدود کردیا گیا ہے علاوہ ازیں یہ انتقال اقتدار کے عبوری دور کو آئینی شکل دینے کی کوشش کے مترادف تھا۔
2. عدالت عظمی، جو کہ ایک ادارہ ہے جس کو آئی سی ڈی کے آرٹیکل 32 کے ذریعے ثابت شدہ خودمختاری (یا پھر: قائم شدہ) گذشتہ حکومت سے ورثہ میں ملی ہے، تاہم وہ ایک کھلاڑی بن گیا ہے جس کا کام طاقتوروں کے خلاف انتقال اقتدار کے اصولوں پر عمل کروانا ہے۔
3. بعد از انقلاب تبدیلی کے حوالے سے کسی حلقے (حلقے یا بالفاظ دیگر آئین کی مسودہ ساز اسمبلی یا سی ڈی اے) اور قانون ساز اداروں (پہلے جنرل نیشنل کونسل اور پھر ایوان نمائندگان) کو سی ڈی اے کے مزاحمتی معاملات جس کے تحت تمام طاقت کے حصول کی کوشش کی جائے سے الگ اور مختلف رکھا جائے۔
4. حتی کہ ابتداء میں نہ بھی ہو پھر بھی مذاکرات کے ذریعے انتقال کے دوران درپیش آنے والے مسائل پر قابو پانے کی کوشش کی جاسکتی ہے۔

بدقسمتی سے لیبیا میں خودمختاری کے بعد خصوصیت 2 اور 3 نے آئینی منصوبے 1 کو غیر مستحکم کیا جبکہ منصوبے 4 کو مزید مشکل بنا دیا۔ نتیجتا تیونس کے برخلاف، مصر میں، انقلابی اور بعد از خودمختاری عناصر ناقابل یقین اور غیر مستحکم تھے۔ ابراہیم کے مقالے میں بے مثال طریقے سے بیان کردہ نفرت اور تنازعات کے پس منظر کو علیحدہ رکھتے ہوئے جس کا سبب ان کے اپنے اعمال کو بھی قرار دیا جاسکتا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ اس بدقسمتی کی اصل وجہ آئینی سیاست کے دو برے انتخابات ہیں۔ یقینا ان میں سے پہلا جی این سی کی جانب سے دوسری نمائندہ اسمبلی اور ایوان نمائندگان (ایچ او آر) کا انتخاب تھا جب کہ یہ خود اندرونی خلفشار اور تنازعات کا شکار تھی۔ ذاتی طور پر میں آزاد خیال اور سیکولر طاقتوں کے ساتھ اظہار ہمدردی کرتا ہوں جنہوں نے اس تحریک کی بنیاد رکھی اور جو اپنی پسند کے مطابق ایک مجلس منتخب کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ تاہم میں سمجھتا ہوں کہ ان کے ممکنہ اکثریتی نتائج ریاست کی نوعیت کے بنیادی مسائل کو حل کرنے کا کوئی زیادہ اچھا طریقہ نہیں ہیں کیونکہ یہاں پر صرف اسلام بمقابلہ سیکولرزم ہی نہیں بلکہ وفاق بمقابلہ متحد نظریات بھی ہیں۔ کسی بھی معاملے کا نتیجہ بہرحال ملک میں کلاسیکی دوہری طاقت کی تجدید کے طور پر ہی نکلا جس پر دو قانون ساز ادارے (جی سی این؛ جس کے ایک حصے نے ختم کرنے سے انکار کردیا اور ایچ او آر) اور دو حکومتوں کی بنیاد رکھی گئی، تاہم اس میں متعدد فوجیں اور ایک دوسرے سے تعاون کرنے والے ملیشیا کا ذکر موجود نہیں۔

دوسرا برا انتخاب پہلے سے منسلک ہے۔ لیبیا کی عدالت عظمی نے تکنیکی بنیادوں پر (چاہے ٹھیک ہیں یا نہیں) ایوان نمائندگان کے انتخاب اور وہ ترامیم جن کی بنیاد پر انتخاب ہوئے تھے کو کالعدم قرار دے دیا شاید یہ پہلے غلط انتخاب کو ٹھیک کرنے کی سعی لا حاصل تھی تاہم دو غلطیاں مل کر ایک صحیح کاوش نہیں بن سکتی۔ ایک مزید حالیہ انتخاب اور اس کے منقسمانہ نتائج کے ظاہر ہونے کے بعد لیبیا میں تحلیل کی کوشش مصر کے مقابلے میں بہتر نہیں جہاں آئینی عدالت عظمی کی جانب سے ایک ملتی جلتی کوشش کی گئی تھی (اس صورت میں اسلامی اکثریت کے خلاف) برخلاف مصر، دونوں قانون ساز ادارے (اور بدترین صورت میں: دونوں حکومتیں) اپنا کام جاری رکھے رہے، ان دونوں کو محدود قانونی حاکمیت میسر تھی اور درحقیقت دونوں ملک کے دو حصوں (مغرب میں ٹریپولیٹینیا اور مشرق میں سیرینائیسا اور متعدد ملیشیا جو کہ جنوب میں ایک تیسرے حصے فیضان پر قابض ہونے کو کوشش کررہے تھے) میں ایک دوسرے کے خلاف تباہ کن فوجی کاروائیوں میں مصروف تھے۔ تاہم ان

پوزیشن کا مقالہ - آئي ایس ایم سی کے گورننس پروگرام کی مکالماتی سیریز 2017 میں مصنف کی جانب سے پیش کیا گیا
برائے مہربانی مصنف سے پیشگی اجازت کے بغیر حوالہ جات یا تقسیم کے لئے استعمال نہ کیا جائے۔

افواج میں سے کوئی بھی پرتشدد افواج کے خلاف کسی بھی چھوٹے سے چھوٹے علاقع یا انفرادی شہر میں اپنی اجارہ داری نہ قائم کرسکیں۔

میرا دوسرا مقالہ ان دو برے انتخابات کے متعلق ہے دوہرا پن یا طاقت کی فراوانی کے بارے میں دوبارہ سے بات کرنا مگر اس مرتبہ یہ نئی طاقتوں کے متعلق یا ان کے درمیان ہے جس کے باعث کسی ایسے حل پر بات کرنا ممکن ہوسکا جس کا اصولی طور پر ہر کسی کے لئے قابل عمل ہونا بہت مشکل نظر آتا ہے۔ اریئنڈٹ کی اصطلاح میں آزادیکے عمل کے لئے ضروری ہے کہ بدقسمت اور پرانے طرز حکومت کی افواج پر قابو پایا جائے اور ایسا کرنا صرف بین الاقوامی مدد کے ذریعے ہی ممکن ہوسکتا ہے۔ تاہم آئین، کے عمل نے قانون سازی کے مکمل اختیارات اور اپنی خواہشات کے مطابق اب افواج کو آزادی کے بہانے ایک دوسرے کے خلاف کام کرنے سے روک دیا ہے۔ تاہم بدترین صورت یہ ہے کہ، اس مرتبہ بین الاقوامی عناصر نے اپنے مفادات اور اقدار کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے مختلف طرز عمل اختیار کیا۔

اس کے باوجود، یہ جانتے ہوئے کہ بدقسمتی سے اس وقت بہترین نتائج کا حصول ممکن نہیں پھر بھی اس عمل کے درمیان نہ کے اس کے ابتدائی مراحل میں جامع مذاکرات کی کوشش کرنا ایک اچھی کاوش تھی۔ اور بالآخر جولائی 2015 میں یو این ایس ایم آئی ایل کے زیر نگرانی گفت وشنید کے اہم دور کا باقاعدہ انعقاد ممکن ہوا جس کے نتیجے کے طور پر شکرات معاہدے کا عمل میں آنا[3] ممکن نظر آیا ۔ دونوں قانون ساز ادارے (ایچ او آر اور ریاستی کونسل) ایک نئی منصوبہ بندی میں شامل تھے جس کے مطابق جنوری 2016 میں قومی معاہدے کے مطابق ایک نئی حکومت کی تشکیل عمل میں آئی۔ بدقسمتی سے تمام سیاسی جماعتوں کے زیادہ تر ارکان نے اس نئے انتظام کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا جس کے نتیجے میں لیبیا میں اس وقت ایک دوسرے کی مخالف تین حکومتیں بیک وقت کام کرہی ہیں۔ صرف آئین کی مسودہ ساز اسمبلی ہی سیاسی انتشار سے محفوظ نظر آتی ہے باقی ہر ایک قانون ساز ادارے سے مختلف ہیں۔ اور جیسا کہ ابراہیم کے مقالے سے عیاں ہے کہ یہ ادارہ متعدد مسودے پیش کرنے میں کامیاب رہا، جس میں احتجاج اور بائیکاٹ کی بجائے اتفاق رائے کی بکثرت شامل نظر آتا ہے۔ ابراہیم ممکنہ نتائج کے بارے میں بہت پر امید نظر آتا ہے۔ تاہم میں کم ہوں۔[4] جیسا کہ اسے نظر آتا ہے کہ تمام مسئلے کا حل درحقیقت ایک عمومی آئین کے مسودہ ساز ادارے کے پاس موجود ہے تاہم میں ویسا نہیں سوچتا میری رائے کے مطابق، آئین سازی صرف اس وقت ممکن ہے جب ایک ریاست کی ساخت پر اتفاق ہوجائے اور اس کی تشکیل ہوجائے۔

میری اس منفی سوچ کا ان مسودوں اور ان سے متعلق متعدد مسائل سے کوئی لینا دینا نہیں۔ یہ مسودے بہت موزوں ہیں تاہم ان کے متعلق بہت کم کہا جاسکتا ہے۔ تاہم ان میں سے کسی ایک پر بھی اگر ریفرینڈم کروایا جائے تو 3/2 کی مطلوبہ حمایت حاصل کی جاسکتی ہے۔ مگر ایک بڑا سوالیہ نشان یہ ابھر کر سامنے آئے گا کہ عدم اتحاد اور لڑائی کے ان موجودہ حالات میں ان حاصل کردہ نتائج کو کس طرح قابل عمل بنایا جائے؟ میں ترتیب کے مسئلے پر واپس آؤں. ریاست کی ساخت کے مسئلے کو ابتدائی مرحلے میں علیحدہ طور پر طے کیا جاسکتا ہے۔ کیا اس عمل کے ابتدائی مرحلے میں بین الاقوامی سپانسرشپ اور اقوام متحدہ کے ممکنہ نفاذ کے تحت کوئی معاہدے طے پائے ہیں۔ اگرچہ چند وفاقی اقسام کے حل کی بنیاد مضبوط علاقائی آئینی خود مختار حکومت پر منحصر ہے جو کہ مساوی وسائل کی ضمانت دیتے ہوئے مناسب معاشی استحکام کو یقینی بنائے تاہم ایسا کرنا اب موجودہ صورت حال میں پہلے کی نسبت قدرے دشوار ہے۔ اے سٹیپن اور جے لنز کے مطابق 2011 میں یہ ایک تحلیل کا مسئلہ تھا جس کو انہوں نے وفاقیت کو "ملا کر رکھنا" کہ کر پکارا ہے۔[5] گذشتہ متحد ریاست میں ایسی تبدیلی کو خطوں اور صوبوں میں بہت رعایت کے ساتھ حاصل کیا جاسکتا ہے کیونکہ مرکز کی جانب سے ایک اہم اختیار برقرار رکھا گیا ہے جس پر کہ ادارے پہلے سے ہی انحصار کررہے ہیں۔ تاہم جب ہم خانہ جنگی کے دوران عدم مرکزیت کےاعلی مقصد کو مقامی اور علاقائی اداروں کی تیزی سے بڑھتی ہوئی مضبوطی کے ذریعے حاصل کرلینے میں کامیاب ہوجاتے ہیں تو اگلا مرحلہ مصنف کی اصطلاح میں "فیڈریشن کو یکجا کرنے" کا ہوتا ہے۔ یہ سماجی،

---

3 Agreement_2_July_15.pdf_https://unsmil.unmissions.org/sites/default/files/Libyan_Political

[4] پچھلے مسودے پر ایک تنقیدی رپورٹ، من جانب بین الاقوامی کمیشن کے قانون دان: http://icj.wpengine.netdna-cdn.com/wp-content/uploads/2015/12/لیبیا- مسودہ- آئین - نقائص- کمیاں- اشاعتیں- رپورٹس- ENG.pdf-2015

[5] سٹیفن، الفریڈ، جوآن جی لنز، اور یوگندر یادو. ریاستی ممالک کو تیار کرنا: بھارت اور دیگر کثیر اقوامی جمہوریہ. JHU پریس، 2011.

پوزیشن کا مقالہ - آئي ایس ایم سی کے گورننس پروگرام کی مکالماتی سیریز 2017 میں مصنف کی جانب سے پیش کیا گیا
برائے مہربانی مصنف سے پیشگی اجازت کے بغیر حوالہ جات یا تقسیم کے لئے استعمال نہ کیا جائے۔

لسانی، مذہبی اور سیاسی ہم آہنگی کے باوجود ایک مشکل امر ہے۔ لیبیا جیسے مضبوط منقسم معاشروں میں یہ کام اب مزید مشکل ثابت ہوتا ہے۔

یہ میرا تیسرا اور آخری مقالہ ہے، جو کہ اگر قائل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے تو ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کو بشمول اس میں ملوث بین الاقوامی عناصر کے تمام اطراف عالم میں تسلیم کیا جائے۔ وہ یہ کہ وفاقیت کا ایک عدم مرکزیت والا نسخہ قابل عمل بنایا جائے اور اب اس کی تشکیل "مل جل کر" کے اصول پر کی جائے۔ میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ لیبیا میں زیادہ متحد ریاست کا دفاع کرنے والے متعدد لوگ موجود ہیں جو کہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اگر وہ تحلیل کے کچھ اصلی اشکال کو قبول کر بھی لیتے تب بھی ان کا خیال ہے کہ وہ عدم مرکزیت والی طرز حکومت میں زندگی بسر کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے جہاں علاقائی آئین قابل عمل ہوں اور مرکزی حکومت کو قدرے کم اختیارات حاصل ہوں۔ شاید وہ اس حل کے خلاف تادم مرگ لڑنا پسند کریں۔ مگر شاید وہ تادم مرگ اس جنگ کو ختم کرنا نہیں چاہتے۔ اور قوی امکان اس بات کا ہے کہ جو لوگ بالآخر بچ جائیں گے ان کو فیڈریشن کی بجائے منقسم حصہ ملے۔

کالونائیزیشن کے اختتام کی مثال پر اعتماد کرتے ہوئے لوگوں کو قائل کرنے کی کوشش خطرناک ثابت ہوسکتی ہے مگر مجھے اس سے بہتر کوئی مثال سمجھ میں نہیں آسکی۔ 1930 کی دہائی میں بھارت نے،[6] گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ (1937) پیش کرکے پورےبرطانوی بھارت بشمول آزاد ریاستوں کو ایک متوازن فیڈریشن پیش کی۔ تاہم ملک پرست لوگوں بشمول نہرو جو کہ روشن خیالی اور دور اندیشی کا منبع تصور کیا جاتا تھا نے اس پیش کش کو ایک اور نوآبادیاتی کو تقسیم کرکے اس پر حکومت کرنے کی کاوش تصور کرتے ہوئے مسترد کردیا۔ آٹھ سال اور لاتعداد کاوشوں کے بعد دونوں اطراف کے لوگ یعنی مسلمانوں اور ہندوؤں کو تفریق کرنا اور اس پر ڈٹ جانے کا ہنر آگیا جس کے بعد ایک بہتر عدم مرکزیت کی تجویز پیش کی گئی جس کو کیبنٹ مشن منصوبہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس میں نوآبادیاتی طاقت کو ختم کرنے کی تجویز دی گئی۔ جب اس کو بھی ابتدائی طور پر بہت ناپسندیدگی کے ساتھ قبول کرنے کے بعد بالآخر مسترد کردیا گیا تو دونوں جانب سے ناپسندیدگی کے باوجود علاقائی تقسیم ہی ایک واحد حل رہ گیا۔ ہر کوئی ہار گیا۔ بدقسمتی سے سیکھے جانے والا سبق انتہائی سادہ مگر عمل کرنے میں انتہائی دشوار ہے۔ جب کسی مسئلے کو وفاقی طور پر حل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تو اہمیت اس امر کی ہے کہ صحیح طریقۂ کار کو صحیح وقت پر اختیار کیا جائے۔ جی ہاں، لیبیا میں جاری خانہ جنگی کا گفت و شنید کے ذریعے ابھی بھی حل ممکن ہے، خصوصا بین الاقوامی دباؤ، نگرانی اور نفاذ کے تحت۔ تاہم، اس کا انحصار نچلے طبقے کی شمولیت پر نہیں بلکہ اہم ترین اشرافیہ کی رضامندی پر ہے۔ جی ہاں، ایک ایسی فیڈریشن کا قیام اب بھی ممکن ہے جس کی بنیاد مرکزیت پر نہ ہو اور جو دوبارہ معاشی تقسیم کو ممکن بنائے۔ اب یہ لیبیا کے لوگوں پر منحصر ہے کہ وہ ایک دوسرے کو ایک ایسے انتظامی ڈھانچے کے لئے قائل کریں جس میں رہنا سب کے لئے ممکن ہو چاہے وہ دوسرا یا تیسرا اختیار ہو۔ ایسی صورتحال میں، بہترین کا قصد کرنا ہی موجودہ حالت کے برعکس کوئی صورت فراہم کرسکتی ہے، متواتر خانہ جنگی، اور جب تمام جنگجو تھکاوٹ کا شکار ہو چکے ہوں تو اس کا واحد حل اکائیوں کی تقسیم کی صورت میں نکلتا ہے جس سے فوجی بنیادوں پر آمرانہ طرز کو مضبوط کیا جاسکتا ہے۔

[6] میں اس نقطۂ نظر کو ثابت کرنے کے لئے آئرلینڈ کے ساتھ ساتھ فلسطین کو بھی زیر غور لا سکتا تھا۔ میرے خیال میں، دونوں صورتوں میں جواب وفاقی طرز حکومت ہی ہوسکتا تھا، اور اس پر عمل نہ کرنے کے باعث نتیجہ دو ناکام تقاسیم کی صورت میں نکلا ہے۔